آس

بشیر بدر



آس

انتساب

مرحومہ قمر جہاں شہناز

کے نام!

انہیں راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے

مجھے روک روک پوچھا، ترا ہمسفر کہاں ہے

فہرست

عبادتوں کی طرح میں یہ کام کرتا ہوں
میرا اصول ہے، پہلے سلام کرتا ہوں

مخالفت سے میری شخصیت سنورتی ہے
میں دُشمنوں کا بڑا احترام کرتا ہوں

میں جیب میں اپنا پتا نہیں رکھتا
سفر میں صرف یہی اہتمام کرتا ہوں

میں ڈر گیا ہوں بہت سائے دار پیڑوں سے
ذرا سی دھوپ بچھا کر قیام کرتا ہوں

مُجھے خُدا نے غزل کا دریا بخشا ہے
یہ سلطنت میں محبت کے نام کرتا ہوں



میں سمندروں کا مزاج ہوں ابھی اس ندی کو پتا نہیں
سبھی ندیاں مجھ سے ملیں مگر میں کسی سے جا کے مِلا نہیں

مرے دل کی سمت نہ دیکھو تو کسی اور کا یہ مقام ہے
یہاں اس کی یادیں مقیم ہیں، یہ کسی کو میں نے دیا نہیں

مجھے دیکھ کے نہ جھُکا نظر، نہ کواڑ دل کے تو بند کر
تیرے گھر میں آؤں گا کس طرح کہ میں آدمی ہوں ہوا نہیں

مرے دل کی خوشبو سے بھر گیا، وہ قریب سے یوں گزر گیا
وہ مری نظر میں تو پھول ہے اسے کیا لگا میں پتا نہیں

میری عمر بھر کی تھکاوٹیں تو پلک جھپکتے اُتر گئیں
مجھے اتنے پیار سے آج تک کسی دوسرے نے چھوا نہیں

یہ مقدروں کی لکھاوٹیں جو چمک گئیں وہ پڑھی گئیں
جو میرے قلم سے لکھا گیا اسے کیوں کسی نے پڑھا نہیں

یہ بدرؔ اب بھی سوال ہے کہ بے رخی ہے کہ پیار ہے
کبھی پاس اس کے گیا نہیں کبھی دُور اس سے رہا نہیں



رفتہ رفتہ رنگ میں تبدیلی ہوگی خاکِ خس
قطرہ قطرہ زندگی ٹپکا رہی ہے اپنا رس

موت جن شہروں کو اجزائے پریشاں کر چکی
پھر انہیں چھونے لگا زیست کے ہاتھوں کا حبس

ہاں کبھی دو بے تکلف دوستوں کے بیچ
خاموشی اتنی اذیت ناک ہوتی ہے کہ بس

خشک پتوں سے یہ کہہ کر رو پڑی جاتی ہے بہار
پھر ملیں گے زندگی لائی اگر اگلے برس

صبح بستر سے اٹھی انگڑائیاں لیتی ہوئی
دُھوپ کی آہٹ پہ چونک اٹھے ہیں مندر کے کلس

اور دنیا کی محبت بڑھ گئی یہ جان کر
سب فنا ہو جائے گا اللہ بس باقی ہے بس

☆☆☆☆☆

بے تاب ہے رنگت کے لیے پیار کی خوشبو
کب سر کے قریب آئے گی تلوار کی خوشبو

مَطلع میں دَمک اٹھتا ہے اس ماتھے کا مطّلع
اشعار میں آجاتی ہے رُخسار کی خوشبو

کہتی ہے کہ آنگن کی چنبیلی تھے کبھی ہم
کوٹھے پر تڑپتی گل بازار کی خوشبو

درکار ہیں آرائشِ نکہت کے لیے رنگ
وہ نکہتِ گیسو ہیں کہ رخسار کی خوشبو

اب اگلے برس یہ در و دیوار نہ ہوں گے
اِک سَر کا لہو مانگے ہے دیوار کی خوشبو

☆☆☆☆☆

دل شکستہ کوئی ہم جیسا یہاں دفن ہے
دیر تک رات کو رونے کی صدا آتی ہے

جیسے چشمے پر نہاتی ہوئی شہزادی خواب
چاندنی رات اب اشکوں میں نہا جاتی ہے

کیا یہاں دشتِ تمنا میں کوئی پھول کھلا
اب ادھر روز کئی بادِ صبا آتی ہے

کس دستک نے بہت چپکے سے سرگوشی کی
چاند سے چاندنی نزدیک ہوئی جاتی ہے

میری آنکھوں میں اتر آئے ہیں کالے بادل
جاؤ سو جاؤ کہ موسم بڑا جذباتی ہے

خشک پتوں کو کوئی روند رہا ہے شاید
بال بکھرائے ہوئے بادِ صبا آتی ہے



شعلۂ فکروں احساس میں بدرؔ جی آخر ہم تو آتشیں بزاں ہو گئے
ہاں مگر اپنے شعروں کے پیغمبراں، آگ میں پھول کا امتحاں ہو گئے

دور تک ریت ہی ریت ہے زندگی، دور تک دھوپ ہی دھوپ ہے زندگی
اَل عطش اَل عطش کوثرِ علم وفن، اب تو کانٹوں کی سوکھی زباں ہو گئے

میں تو گیتی کے سینے کی نم آگ تھا، ابر بن کے برستا بکھرتا رہا
میری شبنم نظر جن کے منہ دھو گئی، وہ ہی ذرے محوِ کہکشاں ہو گئے

جنسِ دل تو پہلے بھی کیا گراں مایا تھی اور اب اس ترقی ما قوس میں
سنگ ریزوں کے تاجر میرے دور میں، آئینہ ساز و شیشہ گراں ہو گئے

کون ہے اور کیا ہے خبر کچھ نہیں، ہاں مگر نبضِ دوراں تیرے واسطے
ہم کبھی آتشِ گل کی نم بن گئے، ہم کبھی پتھروں کی زباں ہو گئے



اب تو انگاروں کے لب چوم کے سو جائیں گے
ہم وہ پیاسے ہیں جو دریاؤں کو ترسائیں گے

خواب آئینے ہیں آنکھوں میں لیے پھرتے ہو
دھوپ میں چمکیں گے ٹوٹیں گے تو چبھ جائیں گے

نیند کی فاختہ سہمی ہوئی ہے آنکھوں میں
تیر یادوں کی کمین گاہوں سے پھر آئیں گے

صبح تک دل کے دریچوں کو کھلا رہنے دو
دردِ گمراہ فرشتے ہیں، کہاں جائیں گے



میں تو کاغذوں کا گلاب تھا، سرِ شام خوشبو سے بھر گیا
میں کہاں ہوں مجھ کو خبر نہیں، مجھے کون چھو کے گزر گیا

یہ گلاب بھی مرا عکس ہے، یہ ستارہ بھی مرا نقش ہے
میں کبھی زمیں میں دفن ہوں، کبھی آسماں سے گزر گیا

میں اُداس چاند کا باغ ہوں نئے موسموں کا سراغ ہوں
مری شاخ شاخ ہری ہری، مرا پھول پھول بکھر گیا



لگی دل کی ہم سے کہی جائے نا
غزل آنسوؤں سے لکھی جائے نا

عجب ہے کہانی مرے پیار کی
لکھی جائے لیکن پڑھی جائے نا

سویرے سے پنگھٹ پہ بیٹھی رہوں
پیا بن گگریا بھری جائے نا

نہ مندر، نہ مسجد، نہ دیر و حرم
ہماری کہیں بھی سنی جائے نا

خُدا سے یہ بابا دُعائیں کرو
کوئی آئے نا اب کوئی جائے نا

سُناتے سُناتے سحر ہو گئی
مگر بات دل کی کہی جائے نا



غموں کی آیتیں شب بھر چھتوں پہ چلتی ہیں
امام باڑوں سے سیدانیاں نکلتی ہیں

اُداسیوں کو سدا، دل لے طاق پہ رکھنا
یہ موم بتیاں ہیں، فرصتوں سے جلتی ہیں

رسوئی گھر میں یہ احساس روز ہوتا ہے
تیری دعاؤں کے پنکھے ہوائیں جلتی ہیں

عجب آگ ہے ہمدریوں کے موسم کی
غریب بستیاں برسات ہی میں جلتی ہیں

یہ الجھنیں بھی ضروری ہیں زندگی کے لئے
سمندروں میں سدا مچھلیاں مچلتی ہیں



شفاف آنکھیں تیز ٹرک کی مُجھے لگا
اک موت کا فرشتہ تھا ہنستا گزر گیا

وہ پھول تیرے ہونٹوں کے چھونے سے جو کھلا
وہ پھول اور جون کی آتش بھری ہوا

نیزوں نے مجھ کو جیسے زمیں سے اٹھا لیا
میں تیرے نرم سینے سے جس دم جدا ہوا

جیسے کہ سارے شہر کی بجلی چلی گئی
آنکھیں کھلی کھلی تھیں مگر سوجھتا نہ تھا

تصویر میری پردہ تخلیق بن گئی
چڑیا نے اس کی آڑ میں اک گھر بسا لیا

باتیں کہ جیسے پانی میں جلتے ہوئے دیئے
کمرے میں نرم نرم اجالا سا بھر گیا

سر درد جیسے نیند کے سینے میں سو گیا
ان پھولوں جیسے ہاتھوں نے ماتھا جوں ہی چھوا

اک لڑکی اک لڑکے کے کاندھے پہ سوئی تھی
میں اجلی دھندلی یادوں کے کہرے میں کھو گیا

سناٹے آئے درجوں میں جھانکا چلے گئے
گرمی کی چھٹیاں تھیں وہاں کوئی بھی نہ تھا

ٹہنی گلاب کی میرے سینے سے لگ گئی!
جھٹکے کے ساتھ رکنا غضب ہوا

☆☆☆☆☆

ہر وقت یونہی شعر سنائے نہیں جاتے
بے وجہ خزانے تو لٹائے نہیں جاتے

پانی کی ضرورت ہے محبت کے شجر
پتھر پہ کبھی پیڑ اگائے نہیں جاتے

احساس اگر ہو تو وفا کے پھول کھلے
دستور محبت کے سکھائے نہیں جاتے

اپنے تو کسی درد کا احساس نہیں ہے
دل میں ہیں سبھی درد پرائے نہیں جاتے

اشعار ہیں چہرے پہ محبت کی لکیریں
مفہوم مقدر کے چھپائے نہیں جاتے

معلوم ہے خوابوں کی حقیقت ہے بکھرنا
پھر بھی تو کوئی خواب بھلائے نہیں جاتے

اچھا ہے بدؔر اپنی غزل ہو گئی ورنہ
سو بار وہی شعر سنائے نہیں جاتے



وہ سادگی نہ کرے کچھ بھی تو ادا ہی لگے
وہ بھولپن ہے کہ بے باکی بھی حیا ہی لگے

یہ زعفرانی پلوا سی کا حصہ ہے
کوئی جو دوسرا پہنے تو دوسرا ہی لگے

نہیں ہے میرے مقدر میں روشنی نہ سہی
یہ کھڑکی کھولو، صبح کی ہوا ہی لگے

عجب شخص ناراض ہو کے ہنستا ہے
میں چاہتا ہوں خفا ہو تو وہ خفا ہی لگے

جنیئس تو اور ہیں لیکن کوئی کہاں تم سا
جو دل جلائے پھر بھی دلربا لگے

ہزاروں بھیس میں پھرتے ہیں رام اور رحیم
کوئی ضروری تو نہیں ہے بھلا بھلا ہی لگے

دعا کرو یہ پودا سدا ہرا ہی لگے
اداسیوں میں بھی چہرہ کھلا کھلا ہی لگے



کہیں پنگھٹوں کی ڈگر نہیں، کہیں آنچلوں کا نگر نہیں
یہ پہاڑ دھوپ کے پیڑ میں کہیں سایہ دار شجر نہیں

مجھے ایسی بات بتایئے جو کوئی سنے تو نئی لگے
کوئی شخص بھوک سے مر گیا یہ خبر تو کوئی خبر نہیں

تیرے نام سے مری راہ میں کوئی دکھ کے پھول بچھا گیا
میں تیری زمین کا خواب ہوں مجھے آسمان کا ڈر نہیں

مرے ہمسفر مرے رازداں یہ اداس پلکوں کے سائباں
ترے ساتھ دھوپ کے راستوں کا سفر بھی کوئی سفر نہیں

کوئی میر ہو کہ بشیر ہو جو تمھارے ناز اٹھائیں ہم
یہ غزل کی دلی ہے باادب، یہاں بے ادب کا گزر نہیں



ہے عجب شہر کی زندگی، نہ سفر رہا نہ قیام
کہیں کاروبا بھی دوپہر، کہیں بدمزاج سی شام

کہاں اب دعاؤں کی برکتیں، وہ نصیحتیں وہ ہدایتیں
یہ ضرورتوں کا خلوص ہے، یہ مطلبوں کا سلام ہے

یوں ہی روز ملنے کی آرزو بڑی رکھ رکھاؤ گفتگو
یہ شرافتیں نہیں بے غرض اسے آپ سے کوئی کام ہے

وہ دلوں میں آگ لگائے گا' میں دلوں کی آگ بجھاؤں گا
اسے اپنے کام سے کام ہے' مجھے اپنے کام سے کام ہے

نہ اداس ہو نہ ملال کر' کسی بات کا نہ خیال کر
کئی سال بعد ملے ہیں ہم' تیرے نام آج کی شام ہے

کوئی نغمہ دھوپ کے گاؤں سا' کوئی نغمہ چھاؤں کی شام کا
ذرا ان پرندوں سے پوچھنا یہ کلام کس کا کلام ہے



ہم لوگ سوچتے ہیں ہمیں کچھ ملا نہیں
شہروں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں

اک چہرہ ساتھ ساتھ رہا جو ملا نہیں
کس کو تلاش کرتے رہے کچھ پتا نہیں

شدت کی دھوپ تیز ہواؤں کے باوجود
میں شاخ سے گرا ہوں نظروں سے گرا نہیں

آخر غزل کا تاج محل بھی ہے مقبرا
ہم زندگی تھے ہم کو کسی نے جیا نہیں

جس کی مخالفت ہوئی مشہور ہو گیا
ان پتھروں سے کوئی پرندہ گرا نہیں

تاریکیوں میں اور چمکتی ہے دل کی دھوپ
سورج تمام رات یہاں ڈوبتا نہیں

جس نے جلائیں بستیاں، بازار کیوں لٹے
میں چاند پر گیا تھا مجھے کچھ پتا نہیں

☆☆☆☆☆

کوئی چراغ نہیں، مگر اُجالا ہے
عجیب رات ہے، سورج نکلنے والا ہے

غضب کی آگ ہے ایک بے لباس پتھر کا
پہاڑ پر تیری برسات کا دوشالہ ہے

عجب لہجہ ہے دشمنی کی مسکراہٹ کا
مجھے گرایا کہاں ہے مجھے سنبھلا ہے

نکل کے پاس کی مسجد سے ایک بچے نے
فساد میں جلی مورت پہ ہاتھ ڈالا ہے

تمام وادیوں، صحرا میں آگ روشن ہے
مجھے خزاں کے انہی موسموں نے پالا ہے



میں زمیں تا آسماں وہ قید آتش دار میں
دھوپ رشتہ بن گئی سورج میں اور انسان میں

میں بہت دن تک سنہری دھوپ کا آنگن رہا
ایک دن پھر یوں ہوا شام آ گئی دالان میں

کس کے اندر کیا چھپا ہے کچھ پتا چلتا نہیں
تیل کی دولت ملی، ویران ریگستان میں

شکل صورت نام پہناوا زباں اپنی جگہ
فرق ورنہ کچھ نہیں انسان اور انسان میں

ان نئی نسلوں نے سورج آج تک دیکھا نہیں
رات ہندوستان ہے رات پاکستان میں



صدیوں کی گٹھڑی سر پر لے جاتی ہے
حسینہ بچی بن کر واپس آ جاتی ہے

میں دنیا کی سرحد سے باہر رہتا ہوں
گھر میرا چھوٹا ہے لیکن ذاتی ہے

دنیا بھر کے شہروں کا کلچر یکساں
آبادی تنہائی بنتی جاتی ہے

میں شیشے کے گھر میں پتھر کی مچھلی
دریا کی خوشبو مجھ میں کیوں آتی ہے

پتھر بدلا، پانی بدلا کیا
انسان تو جذباتی تھا، جذباتی ہے

کاغذ کی کشتی جگنو جھلمل جھلمل
شہرت کیا ہے ایک ندیا برساتی ہے

☆☆☆☆☆

خواہش جیسے افریقہ کی بیٹیاں جنگ آزادی میں سر باندھے کفن
حلقہ نور میں آگے بڑھتے ہوئے دھوپ کو چھیڑتے آبنوسی بدن

ان ہواؤں سے موسم بدلنے لگا' دھوپ میں پیار کی نرم چمکار ہے چبھن
پھر کبوتر کے جوڑوں کے دل میں چبھی تنکے چن چن کے لانے کی فطری چبھن

شہر و صحرا کی تقسیم ممکن نہیں، اک قوت ہے جس کے بہت روپ ہیں
ان پہاڑوں میں بھی پیار کا ظلم ہے، ان مشینوں میں بھی ظلم کا پیار پن

مرنے والے مصور کے تکیے تلے اک کاغذ ملا جس پہ یہ درج تھا
روشنی کے لباسوں میں لپٹا ہوا آئینہ خانے میں خوشبوؤں کا بدن

اونچے گرجا گھروں میں گھرے نوجواں راہبوں کے دلوں میں دبی خواہش
جیسے بیروت کی ساحلی ریت پر دھوپ کھاتی ہوئی لڑکیوں کے بدن



میری یادوں کی اک اک گلی میرے خوابوں کے سارے مکاں سو گئے
دل شب تار کی سلطنت ہو گیا جب سے اشکوں کے شہزادگاں سو گئے

پتھروں کی زمیں پتھروں کے شجر، پتھروں کے مکاں پتھروں کے بشر
کب سویرا ہوا ہم کدھر کو چلے، کس گلی شام آئی کہاں کھو گئے

کیا ہوا آج کیوں خیمہ زخم سے کج کلبلانے غم پھر نکلنے لگے
ہم تو سمجھے تھے اب شہر دل مٹ چکا تھک گئے درد کے کارواں سو گئے

اس کی امید پہ دل کی تمناؤں نے روشنی کے گھروندے بنائے
اک وہ کیا گیا سب دیئے بجھ گئے، آرزوؤں کے سارے مکاں جل گئے

نفرتوں کے الاؤ میں جلتے بدن زیست کی دوپیرہن میں سلگتے چمن
عہد دانش کے مارے یہ انساں نما، پیار کی چھاؤں پائی جہاں سو گئے

عقل کی لشکری آہنی اجنبی آہٹیں جیسے پتھرا گئی خوشبوؤں کی دوکان
دل کے بازار میں خاک اُڑنے لگی، ڈر کے یادوں کے سوداگراں سو گئے

آج کی رات اتنی اندھیری ہے کیوں، آج اتنی اکیلی ہے کیوں
جو سرِ شام ہم کو جگا آئے تھے اک آواز دے کر کہاں کھو گئے



بزم و بازار میں ہر جا ٹھہرا
دل اکیلا تھا، اکیلا ٹھہرا

دوڑتے پیڑ گرے میری طرح
ساتھ چلتا ہوا صحرا ٹھہرا

یا ڈھہرے ہوئے دریا کا بہاؤ
فکر بہتا ہوا دریا ٹھہرا

گرد آلود ہوا دشت ادب
جب بھی احساس کا دریا ٹھہرا

بد نظر صاحب دیدہ کہلائے
میں نے گھورا نہیں اندھا ٹھہرا

ضبط و تہذیب کی قدریں ٹھہریں
میں نہیں چیخا وہاں گونگا ٹھہرا

تاڑ کی طرح میں سیدھا سچا
ترچھا دیکھا مجھے ترچھا ٹھہرا

ابتداء میں کئی ہم جیسے تھے
آخر کوئی نہ ہم سا ٹھہرا

آنکھ پہ شیشۂ صد رنگ چڑھا
دھوپ کا رنگ سنہرا ٹھہرا

نقرئی قہقہہ شرما کے بولا!
رنگ و نور کا دریا ٹھہرا



آنکھ لگی تو گلشن گلشن مے خانے تھے
آنکھ کھلی تو صحرا صحرا ویرانے تھے

دھیمے سورج کی کرنوں میں پھولوں کی نشو ونما
رنگ برنگے روشن روشن پیمانے تھے

آخر برف کا کفن پہنے شمع اکیلی اکیلی تھی
جب تک حُسن کا شعلہ چمکا پروانے پروانے تھے

اب جو دل کی بات سنا دی سب چپ ہیں سناٹے ہیں
ایک ذرا سی خاموشی پر افسانے افسانے تھے

چلتے ہاتھوں میں دنیا تھی بڑھے قدموں کے نیچے
بستی بستی گلیاں گلیاں کاشانے کاشانے تھے



ایسا نغمہ ہے جس میں صدا تک نہیں' ایسی آندھی ہے جس میں ہوا تک نہیں
زندگی کی طرح جاوداں بیکراں' اتنے مجبور جتنی فضا تک نہیں

چلتے مضمونوں کے نوٹس اور ترجمے' اُجلے شوکیس میں سج گئے ٹھیک ہے
کیوں دکاندار رکھے کتابِ ادب' اسے اب کوئی پوچھتا نہیں

اک سمندر کے پیاسے کنارے تھے ہم' اپنا پیغام لاتی تھی موج رواں
آج دو ریل کی پیڑیوں کی طرح ساتھ چلنا ہے اور بولنا تک نہیں

رات کا کالا جادو ہے زُلف میں' اپنے چہرے پہ سورج کا چہرا رکھو
تیز نظموں سے لوگوں پہ حملہ کرو، یوں کسی کو کوئی پوچھتا تک نہیں

زعفرانی رنگ کے گیسوؤں کی گھٹا، آسمانی رنگ کے کوٹ پہ چھا گئی
نرم یادوں کے اجلے فرشتوں کے پر دودھیا خاموشی اور ہوا تک نہیں



تم نے دیکھا کدھر گئے تارے؟
کس کی آواز پر گئے تارے؟

یہ کہیں شہر آرزو تو نہیں
چلتے چلتے ٹھہر گئے تارے

کب سے ہے آنکھ گود پھیلائے
جھیل میں کیوں اتر گئے تارے

دور تک نقشِ پا وے نور نہیں
جانے کس راہ گزر گئے تارے

اُف یہ سارے اندھیرے سناٹے
جانے کس کے نگر گئے تارے

آج آثار ہیں صبح سے پہلے
وادیوں میں اُتر گئے تارے

سہمے سہمے، بجھے بجھے مغموم
سر جھکا کر گزر گئے تارے

بدرؔ کچھ وہاں کی بھی خبر ہے تمھیں
آنچلوں پر بکھر گئے تارے

☆☆☆☆☆

بسترِ دل پہ خون اگلتے خواب
رات بھر کروٹیں بدلتے خواب

وقت کی دھوپ رہگزارِ حیات
برف کی طرح سے پگھلتے خواب

پردہ نور بن کے چھائے ہیں
آنسوؤں کی طرح مچلتے خواب

ایسی سنسان دوپہر میں کہاں
چاند تاروں کی طرح چلتے خواب

یہ ہوائے حقیقت فردا
یہ چراغوں کی طرح جلتے خواب



اڑتے بادل بزرگوں کی شفقت بنے' دھوپ میں لڑکیاں مسکراتی رہیں
جب سے جانا کہ اب کوئی منزل نہیں منزلیں راہ میں آتی جاتی رہیں

رات پریاں فرشتے ہمارا بدن مانگ کر برف میں جل رہے تھے مگر
کچھ شبیہیں کتابوں کے بجھتے دیے کاغذی مقبروں میں جلاتی رہیں

سارے دن کی تپتی ساحلی ریت پر دوڑتی ہوئی مچھلیاں سو گئیں
اپنے ملنے کی وہ آخری شام تھی، لہریں آتی رہیں، لہریں جاتی رہیں

ننگے پاؤں فرشتوں کا اک تحفہ، آسماں سے زمیں پر اترنے لگا
سر برہنہ فلک زادیاں عرش سے آنسوؤں کے ستارے مسکراتی رہیں

اک دریچے میں دو آنسوؤں کا سفر رات کے راستوں کی طرح کھو گیا
نرم مٹی پہ گراتی ہوئی پتیاں سونے والوں کو چادر اوڑھاتی رہیں



بزمِ آزمائش ہے لوگ اپنے شعروں میں تارے توڑ لاتے ہیں
بدرؔ اچھا موقع ہے، دل کی بات کہہ جاؤ وہ بھی سننے آئے ہیں

پتھروں پہ سر رکھ کر رات رات روتے ہو کیا خبر نہیں تم کو
یہ بھی سب سمجھتے ہیں ساتھ ساتھ روتے ہیں اپنا جی دکھاتے ہیں

ہم نے اپنے شعروں میں اپنا دل اتارا ہے دل میں کوبھی کوئی ہو
وہ ہمارے شعروں کو اپنا عکس کہتے ہیں، دیکھ کر لجاتے ہیں

رقص و نور و نغمہ ہو بارشِ کرم ہو گی، آج جشنِ عشرت ہے
پتھروں کے سوداگر پتھروں کے بھاؤ میں دل خرید لاتے ہیں

روپ دیس کی ملیو پنگھٹوں کی سانوریوں کچھ خبر بھی ہے تم کو
ہم تمھارے گاؤں میں پیاسے پیاسے آئے تھے، پیاسے پیاسے جاتے ہیں

سردیوں کی راتوں میں اپنے گاؤں میں گر دالاؤ کے بیٹھے
ہم سے کتنے دیوانے تیرے میرے قصبوں میں اپنا غم سناتے ہیں

گاؤں کی کوئی گوری توڑ کر ہر اک ناتا دور دیس جاتی ہے
ان گھنے درختوں میں آج دف نہیں بجاتے، کھیت سر جھکاتے ہیں

رنگ و نور کی گڑیو، زندگی کی تصویر و تم نے رنج و غم میں بھی
اپنی مسکراہٹ سے ہم سے دل شکستوں کے حوصلے بڑھاتے ہیں

چاند دیس کے لوگو، دل تمہارے ہوتے ہیں، پیار تم سمجھتے ہو
ہم تو اپنے بچپن سے تم کو چھونے پانے کی حسرتیں چھپاتے ہیں

زندگی تیری فکریں کھلتے ہی گلاب کا رس نچوڑ لیتی ہیں
پھول جیسی عمروں کے سوچتے ہوئے بچے بوڑھے ہوتے جاتے ہیں

ایک جاتی دنیا میں، ایک آتی دنیا میں ایک وقفہ ہوتا ہے
اس سیاہ وقفے میں پھول روند جاتے ہیں کانٹے پہنے جاتے ہیں

چاند سے کوئی کہہ دو، چاندنی کے شعلوں کے اب الاؤ مہکائے
آج میرے آنگن میں مہکی زلفوں کے مہکے مہکے سائے ہیں



پچھلی رات کی نرم چاندنی، شبنم کی نرم خنکی سے رچا ہے
یوں کہنے کو اس کا تبسم برف صفت ہے، شعلہ نما ہے

وقت کو ماہ وسال کی زنجیروں میں پکڑ کر کیا پایا ہے
وقت تو ماہ وسال کی زنجیروں میں اور بھی تیز بڑھا ہے

ایک معصوم سے پیار کا تحفہ گھر کے آنگن میں پایا تھا
اس کو غم کے پاگل پن میں کوٹھے کوٹھے بانٹ دیا ہے

آنسو تارے رنگ گلاب سب ہی پردیس چلے جاتے ہیں
آخر آخر تنہائی ہے، کس نے کس کا ساتھ دیا ہے

نظم غزل، افسانہ، گیت، اک تیرا ہی غم تھا جس کو ہم نے
کیسا کیسا نام دیا ہے، کیسے کیسے بانٹ لیا ہے

آہوں کے بادل کیوں دل میں بن برسے ہی لوٹ گئے
اب کے برس ساون کا مہینہ کیسا پیاسا پیاسا گیا ہے

پھول سی ہر تصویر میں ذہن کی دیواروں سے اتر چکا ہوں
پھر کیوں دل میں کانٹا سا رہ رہ کر چبھتا رہتا ہے

مجبوری تھی صبر کیا ہے، پاؤں کو توڑ کر بیٹھے رہے ہیں
نگری نگری دیکھ چکے ہیں دوراہے جھانک لیا ہے

ان آنکھوں کا متوالا پن، ان ہونٹوں کی جنبش کم کم
نشہ ہے جو ڈول رہا ہے، جادو ہے جو بول رہا ہے

مجھ کو ان سچی باتوں سے اپنے جھوٹ بہت پیارے ہیں
جن سچی باتوں سے صدیوں انسانوں کا خون بہا ہے

یارو سونا چاندی بو کر، سونا چاندی کاٹو جاؤ
ہم نے آنسو کی کھیتی کی نین نگر آباد کیا ہے

بدرؔ تمہاری فکر سخن پر ایک علامہ ہنس کر بولے
یہ لڑکا نو عمر پرندہ اونچی اڑان سیکھ رہا ہے



پھول برسے کہیں شبنم کہیں گوہر برسے
اور اس دل کی طرف برسے تو پتھر برسے

کوئی بادل ہو تو تھم جائے مگر اشک مرے
ایک رفتار سے دن رات برابر برسے

برف کے پھولوں سے روشن ہوئی تاریک زمیں
رات کی شاخ سے جیسے مہ و اختر برسے

پیار کا گیت اندھیروں پہ اجالوں کی پھوار
اور نفرتوں کی صدا شیشے پہ پتھر برسے

بارشیں چھت پہ کھلی جگھوں پہ ہوتی ہیں مگر
غم وہ ساون ہے جو ان کمروں کے اندر برسے

کون کہتا ہے کہ رنگوں کے فرشتے اتریں
کچھ بھی برسے مگر اس بار تو گھر گھر برسے

ہم سے مجبور کا غصہ بھی عجب بادل ہے
اپنے ہی دل سے اٹھے، اپنے ہی دل پر برسے



من کی اداس دنیا کے سب تار کس گئے
بارش ہوئی کہ درد کے نغمے برس گئے

بوجھل اداس رات تھی دونوں دلوں کے بیچ
ہم مسکرا دیئے تو اجالے برس گئے

دھرتی کی خشک آنکھوں میں ریتلی دھول ہے
اب کے تو بوند بوند کو دریا ترس گئے

کیوں حال پوچھتے ہو کسی گل آزار کا
باتوں میں رس نہیں رہا ہاتھوں کے جس گئے

سادہ ورق اداس ہے، نغموں کے نرم خواب
تتلی کی طرح اڑ گئے پھولوں میں بس گئے



نام اسی کا سویرے شام لکھا
شعر لکھا یا خط اس کو گمنام لکھا

اس دن پہلا پھول کھلا جب پت جھڑ نے
پتی پتی جوڑ کے تیرا نام لکھا

اس بچے کی کاپی اکثر پڑھتا ہوں
سورج کے ماتھے پہ جس نے شام لکھا

کیسے دونوں وقت گلے ملتے ہیں روز
یہ منظر میں نے دشمن کے نام لکھا

سات زمینیں، ایک ستارہ، نیا نیا
صدیوں بعد غزل نے کوئی نام لکھا

میرؔ، کبیرؔ، بشیر اسی مکتب کے ہیں
آ ! دل کے مکتب میں اپنا نام لکھا



تیری جنت سے ہجرت کر رہے ہیں
فرشتے کیا بغاوت کر رہے ہیں

ہم اپنے جرم کا اقرار کر لیں
بہت دنوں سے یہ ہمت کر رہے ہیں

وہ خود ہارے ہوئے ہیں زندگی سے
جو دنیا پہ حکومت کر رہے ہیں

زمیں بھیگی ہوئی ہے آنسوؤں سے
یہاں بادل عبادت کر رہے ہیں

فضا میں آیتیں مہکی ہوئی ہیں
کہیں بچے تلاوت کر رہے ہیں

ہماری بے بسی کی انتہا ہے
کہ ظالم کی حمایت کر رہے ہیں

پرندوں کے زمیں و آسماں کیا
وطن میں رہ کے ہجرت کر رہے ہیں

غزل کی آگ میں پلکوں کے سائے
محبت کی حفاظت کر رہے ہیں

میں اپنے بھائیوں سے مختلف ہوں
وہ موسم کی شکایت کر رہے ہیں



اجنبی پیڑوں کے سائے میں محبت ہے بہت
گھر سے نکلو تو یہ دنیا خوبصورت ہے بہت

رات تاروں سے الجھ سکتی ہے ذروں سے نہیں
رات کو معلوم ہے جگنو میں ہمت ہے بہت

سچ سیاست سے عدالت تک بہت مصروف ہے
جھوٹ بولو، جھوٹ میں اب بھی محبت ہے بہت

کس لیے ہم دل جلائیں، رات دن محنت کریں
کیا زمانہ ہے برے لوگوں کی عزت ہے بہت

ہم کہیں جاتے نہیں، احباب بھی آتے نہیں
ان دنوں آ جائیے فرصت ہی فرصت ہے بہت

سات صندوقوں میں بھر کر دفن کر دو نفرتیں
آج انسان کو محبت کی ضرورت ہے بہت

مختصر باتیں کرو، بے جا وضاحت مت کرو
یہ نئی دنیا ہے بچوں میں ہے ذہانت ہے بہت

☆☆☆☆☆

گاؤں مٹ جائیں گے، شہر جل جائے گا
زندگی تیرا چہرہ بدل جائے گا!

ہم غریبوں کی اس بھیڑ میں تم کہاں
یہ کلف دار کرتا مسل جائے گا

آگ پہ رقص کرنے میں یکتا ہے تو
برف پہ پاؤں تیرا پھسل جائے گا

میں اسی فکر میں رات سویا نہیں
چاند تاروں کو سورج نگل جائے گا

اب اسی دن لکھوں گا دُکھوں کی غزل
جب مرا ہاتھ آہن میں ڈھل جائے گا

کچھ لکھوں مرثیہ، مثنوی یا غزل
کوئی کاغذ ہو پانی میں گل جائے گا

میں اگر مسکرا کے انہیں دیکھ لوں

قاتلوں کا ارادہ بدل جائے گا



کہیں نہ چھوڑ کے جاؤ، بڑا اندھیرا ہے

کوئی چراغ جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

بہت ہنسا ہوں لطیفے سنا رہا تھا کوئی

اب آنسوؤں سے رلاؤ بڑا اندھیرا ہے

کتابیں کیسی اٹھا لائے مکتبوں والے

غزل کے جام اٹھاؤ، بڑا اندھیرا ہے

وہ چاندنی کی بشارت ہے حرفِ آخر تک

بشیر بدرؔ نہ جاؤ بڑا اندھیرا ہے



ایک اچھی لڑکی تھی، ہم بھی اسے اچھے لگے

دیر تک لیکن کہاں چلتے ہیں ایسے سلسلے

وہ بھی کیا بھرپور دن تھے یاد آتے ہیں بہت

آگ اوڑھنی اور بچھائی، پانیوں پر ہم چلے

کچھ دنوں کے بعد پیپل کی طرح پوجیں گے لوگ

ہم کھڑے ہیں اور گزرے جا رہے ہیں قافلے

آنے والے آئیں گے اور جانے والے جائیں گے
خوبصورت ہیں بہت آوا گون کے سلسلے



اچھی آنکھیں، سچے دل پوجا کریں
آ صنم خانوں میں ہم سجدہ کریں

پھول جیسے خوبصورت زخم ہیں
زندگی سے کیا گلہ شکوہ کریں

جب وہ آئے گا، زمانہ آئے گا
ہم اکیلے ہیں، اکیلے کیا کریں

آؤ جاناں، بادلوں کے ساتھ ساتھ
دھوپ جاتی ہے کہاں پیچھا کریں

پلکاں پلکاں رات بھر شبنم چنیں
قطرہ قطرہ جوڑ کر دریا کریں

دور جائیں، دور سے باتیں کریں
پاس آئیں پاس سے دیکھا کریں

یہ مزہ لینے کا موسم پھر کہاں
رحمتوں کی رات ہے سجدہ کریں



گاؤں چھوڑا تو کئی آنکھوں میں کاجل پھیلا
شہر پہنچا تو کسی ماتھے پہ جھومر جھوما

زندگی تو نے مجھے مار لیا تھا لیکن
یہ تو میں تھا جو تیرے زندوں سے بہتر ہی جیا

اب ملے ہم تو کئی لوگ بچھڑ جائیں گے
انتظار اور کرو اگلے جنم تک میرا

وہ تو انسان تھی تیری یاد کی محویت میں
در و دیوار کو سینے سے لگا کر چوما

آج کی شام دوبارہ نہ کبھی آئے گی
آج کی شام نہ یہ سوچ کہ کل کیا ہوگا

دکھ بھرا پیار سمندر کی طرح لامحدود
غم زدہ حسنِ رواں پانی میں گھلتا سونا

میرے ہاتھوں سے چھوٹا تھا ایک آئینہ
عمر بھر جس کو میری آنکھوں نے پلکوں سے چنا

رات خاموشی دل چھا گئی جب دنیا پر
کوئی بولا تھا بہت پاس وہ تم تھے یا خُدا

خُوبصورت ہے بہت پیار کی خوش فہمی بھی
بند پلکوں کو تیرے ہونٹوں کے جیسے چوما

کوئی آیا تھا نہیں تیز ہوا تھی شاید
میز و فرش پر بکھری ہوئی ہے لولیتا

☆☆☆☆☆

وہ صورت گردِ غم میں چھپ گئی ہو
بہت ممکن یہ وہی آدمی ہو

میں ٹھہرا آبشار شہر پر فن
گھنے جنگل میں تم بہتی ندی ہو

بہت مصروف ہے انگشت نغمہ
مگر تم تو ابھی تک بانسری ہو

میری آنکھوں میں ریگستاں بسے ہیں
کوئی ایسے میں ساون کی جھڑی ہو

دیا جو بجھ چکا ہے پھر جلانا
بہت محسوس جب میری کمی ہو

یہ شب جیسے کوئی بے ماں کی بچی
اکیلے روتے روتے سو گئی ہو

وہ دریا میں نہانا چاندنی کا
کہ چاندنی جیسے گھل کے بہہ رہی ہو

کہانی کہنے والے کہہ رہے ہیں
مگر جانے وہی جس پر پڑی ہو

میاں دیوان کا مت رعب ڈالو
پڑھو کوئی غزل جو واقعی ہو

غزل وہ مت سنانا ہم کو شاعر
جو بے حد محفلوں میں چل چکی ہو



موج گل کے پیچھے پڑ کر کیوں دیوانی ہوئی ہے مٹی
ٹھوکر کھا کر خود آئے گا جس کی جہاں لکھی ہے مٹی

گلیاں گھپ ہیں میدان چپ ہیں اور وہ دیوانہ بھی نہیں
مٹی کا دل بیٹھ گیا ہے کس کی آج اٹھی ہے مٹی

آنکھیں آنسو دل بھی آنسو شاید ہم سرتاپا آنسو
تھوڑی مٹی اور ملا دے ابھی بہت ہے گیلی مٹی

مٹی کا ایک اور کھلونا زیست بنانے والی ہے
خاموشی سے دیکھ تو آ اس آنچل میں بندھی ہے مٹی

آہن جیسی دیواریں ہوں یا انسان کا جسم خاکی
مٹی کی فطرت آزادی ہے، قید نہیں رہ سکتی مٹی

پچھلے سال یہیں بہت سی ٹوٹی قبریں منہ کھولے تھیں
دھرتی کے زخموں کو کتنی جلدی بھر دیتی ہے مٹی

میں ٹھہرا مٹی کا مادھو جا دیوانی راہ لے اپنی
تو سونے چاندی کی مورت خود کو کیوں کوتی ہے مٹی

یہ جو دل سونا اک تر ہے، پہلے اک پتھر کا بت تھا
صدیوں یہ آنکھیں روئی ہیں صدیوں تک بھیگی ہے مٹی

ہر ذرے میں راز نیا ہے گو مٹی کے تم ہو کھلونے
اک اک شعر میں بدرؔ تمھارے جیسے بدل رہی ہے مٹی



بے تحاشا سی لاابالی ہنسی
چھن گئی ہم سے وہ جیالی ہنسی

لب کھولے، جسم مسکرانے لگا
پھول کا کھلنا تھا کہ ڈالی ہنسی

مسکرائی خُدا کی مہورت
یا ہماری ہی بے خیالی ہنسی

کون بے درد چھین لیتا ہے
میرے پھولوں کی بھولی بھالی ہنسی

وہ نہیں تھا وہاں کون تھا پھر
سبز پتوں میں کیسے لالی ہنسی

دھوپ میں کھیت گنگنانے لگے
جب کوئی گاؤں کی جیالی ہنسی

ہنس پڑی گاؤں کی اداس فضا
اس طرح چائے کی پیالی ہنسی

میں کہیں جاؤں تعاقب میں
اس کی وہ جان لینے والی ہنسی

﴿☆☆☆☆☆﴾

رینگتے دوڑتے ہوئے ڈبے
سائے کی طرح جھانکتے چہرے

گردنوں میں لٹک رہی ہے زباں
اور آنکھوں پہ رکھے ہیں شیشے

مچھلیاں چل رہی ہیں پنجوں پر
جن کے چہرے ہیں لڑکیوں جیسے

سازِ پر شور کرب ہنستا ہے
بولیاں بولتے ہوئے ڈبے

اک بڑا کالا جادُو کا کمرا
اور پردے پہ لڑکیاں لڑکے

ننگی دیوار کا لباس بنے
کاغذی جسم و رنگ کے چہرے

اب سفر کا نیا طریقہ ہے
لوگ لیٹے ہیں چلتے ہیں کمرے

کوئی آئینہ ہم کو دے دیتا
دیکھنا یہ ہے ہم بھی کچھ بدلے

☆☆☆☆☆

پیار سے دل کا نگر نگر مہکے
آگ میں تتلیوں کے پَر مہکے

چاند پر چھائے بادلوں کی گھٹا
چاندنی سے تمام گھر مہکے

درد کی آگ دل میں روشن کر
دھوپ نکلے یہ رہگذر مہکے

دھوپ ڈھلنے دے شام آنے دے
رات بھر پیار کا شجر مہکے

اک پرندے نے تیرا نام لیا
صحن و دیوار، بام و در مہکے

یاد آئے تو ذہن و دل خوشبو
دیکھ لوں تو مری نظر مہکے

☆☆☆☆☆

روشنی کے مقدر میں نیندیں کہاں، چاند میں تاک پر دہ سجائیں کہیں
ہمیں چراغ وفا کی طرح جلنا ہے رات بھر آسماں تا زمیں وہ جلائیں کہیں

وہ بھٹکتی ہوئی روحیں جیسے ملیں، یوں ملے وہ نگاہیں مگر خوف ہے
زیست ہے رات میں جنگلوں کا سفر، اس جنم میں بھی ہم کھو نہ جائیں کہیں

شہرتیں مثل مینارِ عظمت ہمیں آسماں کی طرف لے چلی ہیں مگر
جی میں ہے سبز پیغمبروں کی طرح سینائے سنگ سے سر اٹھائیں کہیں

برف سی اجلی پوشاک کے پہنے ہوئے پیڑ جیسے دُعاؤں میں مصروف ہیں
وادیاں پاک مریم کا آنچل ہوئیں آؤ سجدہ کریں سر جھکائیں کہیں

کوئی کتبہ نہیں ہے سر راہ ہم جس پہ اقوالِ زریں بدلتے رہیں
ہم تو آنسو ہیں پلکوں پہ رکھ لو ہمیں جب اشارہ کرو ٹوٹ جائیں کہیں

ان کہے شعر ہیں وا دیئے جہاں میں مختلف رنگ کے جھلملائے دیئے
دستِ الفاظ محفوظ کر لے انہیں چل رہی ہے ہوا بجھ نہ جائیں کہیں



تتلیوں کا مجھے ٹوٹا ہوا پر لگتا ہے
دل پہ وہ نام بھی لکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے

رات آئی تو ستاروں بھری چادر تانی
خوبصورت مجھے سورج کا سفر لگتا ہے

یہ بھی سوتے ہوئے بچے کی طرح ہنستا ہے
آگ میں پھول، فرشتوں کا ہنر لگتا ہے

زندگی تو نے مجھے قبر سے کم دی ہے زمیں
پاؤں پھیلاؤ تو دیوار میں سر لگتا ہے

میں ترے ساتھ ستاروں میں گزر سکتا ہوں
کتنا آسان محبت کا سفر لگتا ہے

مجھ میں رہتا ہے کوئی دشمنِ جانی میرا
خُود سے تنہائی میں ملتے ہوئے ڈر لگتا ہے

بُت بھی رکھے ہیں، نمازیں بھی ادا ہوتی ہیں
دِل، مرا دل نہیں، خُدا کا گھر لگتا ہے



اَلف اَلف ہے اسے شین قاف کرتے نہیں
دل و دماغ مرے اختلاف کرتے نہیں

ذہین سانپ سدا آستیں میں رہتے ہیں
زباں سے کہتے ہیں دل سے معاف کرتے ہیں

یہ دل ہے کمرے کی بتی بُجھا کے سوتا ہے
مگر دماغ کا ہم مین آف کرتے نہیں

ذرا سی بات پہ ہفتوں اداس رہتے ہیں
اس آئینے کو کوئی روز صاف کرتے نہیں

کہو تو اوس بچھا دیں سحر کی پلکوں پر
غزل، غزل ہے اسے ہم لحاف کرتے نہیں

خراج لیتے ہیں لیکن ذرا سلیقے سے
کسی وزیر کے گھر کا طواف کرتے نہیں

اسدؔ سے کہیو کہ اب ترجمے حذف کر دیں
کہ ڈپلیکیٹ کا ہم اعتراف کرتے نہیں



پرکھنا مت، پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینے میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا

بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلے رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا، دریا نہیں رہتا

ہزاروں شعر میرے سو گئے کاغذ کی قبروں میں
عجب ماں ہوں کوئی بچہ مرا زندہ نہیں رہتا

تمہارا شہر تو بالکل نئے انداز والا ہے
ہمارے شہر میں بھی اب کوئی ہم سا نہیں رہتا

محبت ایک خوشبو ہے ہمیشہ ساتھ چلتی ہے
کوئی انسان تنہائی میں بھی تنہا نہیں رہتا

کوئی بادل ہرے موسم کا پھر اعلان کرتا ہے
خزاں کے باغ میں جب ایک بھی پتہ نہیں رہتا



کچھ نہیں اور تیرے ساتھ سوا چاہیے
اب مجھے مے نہیں میکدہ چاہیے

ایک دن تجھ سے ملنے ضرور آؤں گا
زندگی مجھ کو تیرا پتا چاہیے

گھر کی دہلیز پر چاند سویا نہ ہو
صبح ہونے کو ہے لوٹنا چاہیے

اس زمانے نے لوگوں کو سمجھا دیا
تم کو آنکھیں نہیں آئینہ چاہیے

یہ زمیں آسماں کچھ نئے تو لگیں
مجھ کو ایسی نظر اے خُدا چاہیے

تم سے میری کوئی دشمنی تو نہیں
سامنے سے ہٹو، راستہ چاہیے



یہ اگر انتظام ہے ساقی
پھر ہمارا سلام ہے ساقی

آج تو اذن عام ہے ساقی
رات رندوں کے نام ہے ساقی

میرے ساغر میں کون اُترا ہے
چاند تاروں کا جام ہے ساقی

ایک آئے گا، ایک جائے گا
میکدے کا نظام ہے ساقی

جام ٹوٹے، صراحیاں ٹوٹیں
کیا اِدھر قتل عام ہے ساقی

تیرے ہاتھوں سے پی رہا ہوں شراب
میکدہ میرے نام ہے ساقی

☆☆☆☆☆

بڑی جان لیوا فقیری حبیبی
مگر اس سے بدتر امیری حبیبی

اچانک تمہیں سلطنت مل گئی ہے
فقیروں کو بانٹو، وزیری حبیبی

بہت راستے ہیں، کئی منزلیں ہیں
سفر میں رہے بے لکیری حبیبی

سدا سرفرازی، سدا سربلندی
سلامت رہے بے ضمیری حبیبی

ابھی تک وہی قافیے چل رہے ہیں
کبیری، نظیری، بشیری حبیبی

کبھی میرؔ و غالبؔ سے باہر بھی دیکھو
کہاں تک بجے گی نفیری حبیبی

☆☆☆☆☆

غزالاں دیکھنا دلدار تاروں کی اٹاری میں
مرے نیناں کے دونوں پٹ کھلے ہیں انتظاری میں

ہمن کو عاشقی کی آگ پھولوں میں بساتی ہے
فرشتے راکھ ہو جاتے ہیں، سورج کی سواری میں

کبھی کہتے ہو اب آئے کبھی کہتے ہو تب آئے
ہماری جان جائے گی تمہاری انتظار میں

پرندوں کے شکاراں سے خُدا ناراض ہووے ہے
میاں تم چاند کو زخمی کرو گے چاند ماری میں

مرا لہجہ چمکتا ہے ترا مکھڑا دمکتا ہے
کبھی یاد خزانی میں کبھی ابر بہاری میں

تمہارے ہاتھ میں مشرق تمہارے پاؤں میں مغرب
دوپٹہ اور کنگن، پھول بھی جھومے سفاری میں

تمہارے دل کے بیماراں مزا لیتے ہیں موسم کا
بخاراں کا بخاری میں، بہاراں کی بہاری میں

خزاں کی گھاس پر چھلکاٹ کی چادر بچھائی ہے
بٹن سونے کے ٹانکے ہیں تمہاری چھولداری میں

غسل خانے کی چلمن میں پڑے کم خواب کے پردے
نئے نوٹوں کی گھر گھر ہے پرانی ریزگاری میں

اُجالے پاؤں پُوجے ہیں اندھیرے جان دیتے ہیں
غضب کی چاندنی چمکتی ہے پلکاں کی اٹاری میں

کبھی سورج کبھی بادل کبھی دونوں ستاتے ہیں
پیا، گھر بار ہم نے بیچ ڈالے تیری یاری میں



سَر سَر ہوا میں سرکے ہے صندل کی اوڑھنی
جُھک جُھک پلک کو چومے ہے کاجل کی اوڑھنی

مدت کے بعد دھوپ کی کھیتی ہری ہوئی
اب کے برس، برس گئی بادل کی اوڑھنی

موسم سے ملتا جلتا تمہارا مزاج ہے
بھاری کبھی دُلائی، کبھی ہلکی اوڑھنی

کہرے کی وادیوں میں اترنے لگی ہے رات
پھر سردیوں نے اوڑھ لی کمبل کی اوڑھنی

ریشم کی چادروں سی وہ چکنی پہاڑیاں
کیا دھوپ کی ڈھلان سے کل ڈھلکی اوڑھنی

یہ آج ہے تو آج کی چادر تلاش کر
اچھے دنوں کے واسطے رکھ کل کی اوڑھنی

کتنے لباس شہر بدلتا ہے شام تک
ہر رات جھلملاتی ہے جنگل کی اوڑھنی

کاروں سے جھانکتے ہوئے خوشبو کے پیرہن
پیدل کے واسطے وہی ڈیزل کی اوڑھنی

شاعر کو تاج و تخت خُدا نے عطا کیے
خواجہ سرا نے اوڑھنی جھلا جھل کی اوڑھنی

پاگل سی ایک لڑکی نے شاعر بنا دیا
یہ شاعری بھی اسی پاگل کی اوڑھنی

جاناں بشیر بدرؔ کی تم بھی غزل ہو کیا
مخمل کے چار جامے پہ ململ کی اوڑھنی



اب دھوپ بھول جایئے سورج یہاں نہیں
ایسی زمیں ملی ہے جہاں آسماں نہیں

کاغذ پہ رات اپنی سیاہی بچھا گئی
کوئی لکیر، تیرے مرے درمیاں نہیں

یہ راز اب کھلا تری ناراضگی کے بعد
تو مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

دل نے تمہاری یاد میں سب کو بھلا دیا
اب طاق ہے چراغ ہے لیکن دھواں نہیں

جا اس کا نام لکھ دے گلابوں کی شاخوں پر
پھولوں کے آس پاس اگر تتلیاں نہیں!

میرؔ، کبیرؔ، چشتی و نانک کے پیار کو
جو دیش بھول جائے وہ ہندوستاں نہیں



چل چل کے رُکے، رُک رُک کے چلے، جو دل نے کہا وہ ہم نے کیا
سب کی مانی پر شام ڈھلے، جو دل نے کہا وہ ہم نے کیا

پھل پھول رکھیں اُن چرنوں پر جو سورج کے گھر جاتے ہیں
یہ بات کبھی اُتری نہ گلے جو دل نے کہا وہ ہم نے کیا

موسم کے دین و مذہب کو ہم نے اپنا مذہب جانا
پھولوں کے بدن پلکوں سے ملے جو دل نے کہا وہ ہم نے کیا

روشن روشن شاخوں پہ کھلے، جب شام ڈھلے طاقوں میں جلے
موتی چمکے پلکوں کے تلے، جو دل نے کہا، وہ ہم نے کیا

مٹکی، ماکھن، گاگر چھن چھن رم جھم برسے ساون
سُندر سُندر گودوں میں پلے جو دل نے کہا وہ ہم نے کیا



وہ شاخ ہے نہ پھول اگر تتلیاں نہ ہوں
وہ گھر بھی کوئی گھر ہے جہاں لڑکیاں نہ ہوں

پلکوں سے آنسوؤں کی مہک آنی چاہیے
خالی ہے آسماں اگر روشنیاں نہ ہوں

دُشمن کو بھی خُدا کبھی ایسا مکاں نہ دے
تازہ ہوا کی جس میں کہیں کھڑکیاں نہ ہوں

میں پوچھتا ہوں میری گلی میں وہ آئے کیوں
جس ڈاکیے کے پاس میری منی آرڈر نہ ہوں



چراغ لے کے تیرے شہر سے گزرنا ہے
یہ تجربہ بھی ہمیں کئی بار کرنا ہے

میں وہ پہاڑ ہوں جو کٹ رہا ہوں پانی سے
یہ دل نہیں ہے مرے آنسوؤں کا جھرنا ہے

اے عزیز میں اتری ندی کا لہجہ ہوں
مجھے چڑھے ہوئے دریا کو پار کرنا ہے

بہت جدید ہوں لیکن یہ میرا ورثہ ہے
اسی قدیم گلی سے مجھے گزرنا ہے

تمہیں خبر نہیں سورج بھی عکس ہے میرا
تمام دن کا مجھے انتظام کرنا ہے

وہ ایک شخص کہ جس کو غزل بھی کہتے ہیں
اسی کے نام سے جینا اسی پہ مرنا ہے



عجب موسم ہے میرے ہر قدم پہ پھول رکھتا ہے
محبت میں محبت کا فرشتہ ساتھ چلتا ہے

ہر آنسو میں کوئی تصویر اکثر جھلملاتی ہے
تمہیں آنکھیں بتائیں گی، دئیوں میں کون جلتا ہے

میں جب سو جاؤں ان آنکھوں پہ اپنے ہونٹ رکھ دینا
یقین آجائے گا پلکوں تلے بھی دل دھڑکتا ہے

بڑا ہو کر کہیں مندر، کہیں مسجد بنائے گا
یہ بچہ دیکھنا اسکول جانے سے بھی ڈرتا ہے

بہت سے کام رُک جاتے ہیں میں باہر نہیں جاتا
تمہاری یاد کا لہجہ کہاں ٹالے سے ٹلتا ہے

محبت غم کی بارش ہے زمیں سرسبز ہوتی ہے
بہت سے پھول کھلتے ہیں جہاں بادل برستا ہے



رات آنکھوں میں ڈھلی پلکوں پہ جگنو آئے
ہم ہواؤں کی طرح جا کے اسے چھو آئے

اس کا دِل دِل نہیں پتھر کا کلیجہ ہوگا
جس کو پھولوں کا ہنر آنسو کا جادو آئے

بس گئی ہے میرے احساس میں یہ کیسی مہک
کوئی خوشبو میں لگاؤں تری خوشبو آئے

خُوبصورت ہیں بہت دنیا کے جھوٹے وعدے
پھول کاغذ کے لیے کانچ کے بازو آئے

اُس نے چھو کر مجھے پتھر سے پھر انسان کیا
مدتوں بعد مری آنکھوں میں آنسو آئے



وہ جہاں تھے، وہی کھڑے ہوں گے
جو کسی بات پر اڑے ہوں گے

پالنوں میں کہیں پڑے ہوں گے
کل جو سورج بہت بڑے ہوں گے

اب نئے ذہن اور آئیں گے
امتحانات اور بھی کڑوے ہوں گے

تاجداروں کے سر چڑھے ہیرے
آج پاپوش میں جڑے ہوں گے

ایک چھوٹے سے سائبان کے لیے
عمر بھر دھوپ سے لڑے ہوں گے

میں اٹھا کر غزل بنا دوں گا
لفظ جتنے گرے پڑے ہوں گے

سات رنگوں کے سات تاج محل
ایک دیوار میں جڑے ہوں گے

دھوپ کب تک مجھے ستائے گی
کل مرے پیڑ بھی بڑے ہوں گے،

کتنے لہجے بشیر بدر ہوئے
اپنے پیروں پہ کب کھڑے ہوں گے

☆☆☆☆☆

میں کب کہتا ہوں، وہ اچھا بہت ہے
مگر اُس نے مجھے چاہا بہت ہے

خُدا اس شہر کو محفوظ رکھے
یہ بچوں کی طرح ہنستا بہت ہے

میں ہر لمحے میں صدیاں دیکھتا ہوں
تمہارے ساتھ اک لمحہ بہت ہے

مِرا دل بارشوں میں پھول جیسا
یہ بچہ رات میں روتا بہت ہے

وہ اب لاکھوں دِلوں سے کھیلتا ہے
مجھے پہچان لے اتنا بہت ہے

☆☆☆☆☆

بے لباسی جو ہر لباس کی ہے
مفلسی عہدِ بدحواس کی ہے

مطمئن ہیں ذرا امیر و غریب
ہر مصیبت مڈل کلاس کی ہے

آئینہ بن گئے در و دیوار !
چاندنی یہ اسی لباس کی ہے

سب کو ساقی نے یہ جواب دیا
یہ خطا آپ کے گلاس کی ہے

تیری خوشبو میں دیکھ لیتا ہوں
یہ مہک تیرے آس پاس کی ہے

☆☆☆☆☆

سادگی سے نہ کچھ گِلہ کرنا!
ہم نے سیکھا نہیں بُرا کرنا

شعر کہنا میری عبادت ہے
ہر گھڑی اس کا تذکرہ کرنا

یہ نشہ سر چڑھ کے بولے گا
اشک پی کر غزل کہا کرنا

زندگی ان بجھی پہیلی ہے
نت نیا کوئی حل لکھا کرنا

منزلیں خواب بن کے رہ جائیں
اتنا بستر سے پیار کیا کرنا

اُن کا احساس جاگ جائے گا
بے وفاؤں سے بھی وفا کرنا

میرے حصے میں چند غزلیں ہیں
کاغذوں کا حساب کیا کرنا

خوش مزاجی سے بادشاہی بدؔر
کیا کسی سے کوئی گلہ کرنا



شعر کا حسن بھی لفظوں سے ڈھکا ہوتا ہے
خواب لگتا ہے جو دُلہن سا سجا ہوتا ہے

اس سے بڑھ کر بھی کوئی شعر بھلا ہوتا ہے
جو نگاہوں نے نگاہوں سے کہا ہوتا ہے

دِل اُڑا کرتا ہے آزاد پرندوں جیسا
اور انسان روایت سے بندھا ہوتا ہے

پیار کی چوٹ زمانے کو کہاں دکھتی ہے
جس کو لگتی ہے فقط اس کو پتا ہوتا ہے

کاش انسان کا مقدر بھی نمایاں ہوتا
جس طرح بند لفافے پہ پتا ہوتا ہے

اک ذرا دیر مجھے کاندھے پہ سو لینے دے
شام کے وقت پرندہ بھی تھکا ہوتا ہے

اپنی آواز بھی کھو جاتی ہے تنہائی میں
دِل کے سناٹوں میں وہ شور بپا ہوتا ہے

اب محبت کی کہانی کوئی سنتا ہی نہیں
وہ کہو جس میں کہ سنسار چھپا ہوتا ہے



گلیوں سے میری تم نے گزر کر نہیں دیکھا
غم یہ ہے کہ خوشیوں نے مرا گھر نہیں دیکھا

محروم ہے وہ پیار کی دولت سے ابھی تک
دل جس نے کہیں اپنا لگا کر نہیں دیکھا

گمنام ہے وہ پھول گلستانِ جہاں میں
خوشبو کی طرح جس نے بکھر کر نہیں دیکھا

آئینے فقط اس کی تسلی کے لیے ہیں
دُلہن کی طرح جس نے سنور کر نہیں دیکھا

یہ سچ ہے مرا قتل سرِ عام ہوا ہے
کس کا تھا میری پیٹھ میں خنجر نہیں دیکھا

دل چیر کے نکلے ہیں یہ اشعار ہمارے
افسوس انہیں آپ نے پڑھ کر نہیں دیکھا



ایک پری کے ساتھ موجوں پہ ٹہلتا ہے رات کو
اب یہ قدرت کہاں ہے آدمی کی ذات کو

جن کا سارا جسم ہوتا ہے ہماری ہی طرح
پھول کچھ ایسے بھی کھلتے ہیں ہمیشہ رات کو

اک اک کر کے سبھی کپڑے بدن سے گر چکے
صبح پھر ہم یہ کفن پہنائیں گے جذبات کو

پیچھے پیچھے رات تھی کاروں کا اک لشکر لیے
ریت کی پٹری پہ سورج چلا آ رہا تھا رات کو

آب و خاک و باد میں بھی وہ لہر آ جائے ہے
سرخ کر دیتی ہے دم بھر میں جو پتلی دھات کو

صبح بستر بند ہے جس میں لپٹ جاتے ہیں ہم
ایک سفر کے بعد پھر کھلتے ہیں آدھی رات کو



آگ لہرا کے چلی ہے اسے آنچل کر دو
تم مجھے رات کا جلتا ہوا دیا کر دو

چاند سا مصرعہ اکیلا ہے مرے کاغذ پر
چھت پہ آ جاؤ، مرا شعر مکمل کر دو

میں تمہیں دل کی سیاست کا ہنر دیتا ہوں
اب اُسے دُھوپ بنا دو مجھے بادل کر دو

اپنے آنگن کی اُداسی سے ذرا بات کرو
نیم کے سوکھے ہوئے پیڑ کو صندل کر دو

تم مجھے چھوڑ کے جاؤ گے تو مر جاؤں گا
یوں کرو جانے سے پہلے مجھے پاگل کر دو



میں آسماں کی شاخ پہ رہتا ہوں دوستو
چمکار کر بلاؤ، پرندہ ہوں دوستو

ایک دن فساد نے مجھے یہ بھی بتا دیا
میں آدمی نہیں ہوں، درندہ ہوں دوستو

تم جن کے نیچے بیٹھ کے اوتار ہو گئے
ان برگدوں کا میں بھی پرندہ ہوں دوستو

سچ یہ ہے میری بابری مسجد مجھی میں ہے
میں مندروں کی آگ میں زندہ ہوں دوستو

اخبار میں خبر میرے مرنے کی چھپ گئی
آئینے کہہ رہے ہیں میں زندہ ہوں دوستو



